بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

بنگلہ دیش

جنوب ایشیا میں بنگلہ دیش کے نام سے ایک اور آزاد مملکت کا اضافہ ہوگیا! یہ امر فی نفسہٖ مسرت کن اور خوشی کا باعث ہے۔ یوں تو ارباب بصیرت کو تقسیم کے وقت ہی محسوس ہوگیا تھا کہ "مشرقی پاکستان" ایک نہ ایک دن مستقل آزاد مملکت بنکر رہیگا چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے "ہندوستان آزاد ہوتا ہے" میں اس کی طرف بہت واضح اشارہ کیا بھی ہے لیکن یہ جو کچھ جس ڈرامائی انداز میں اور جن احوال و حوادث کے جلو میں ہوا ہے وہ حد درجہ افسوسناک بھی ہیں اور عبرت انگیز بھی! وہ لوگ جو مقصد برآری کے لیے۔ یا اپنی شدید جذباتیت کے زیر اثر اسلام کا نام بڑی بلند بانگی سے لیتے ہیں لیکن نہ ان کا فکر صحیح ہے اور نہ عمل درست۔ انکے لیئے یہ واقعات قدرت کی طرف سے سخت تازیانۂ عبرت اور بیحد سبق آموز ہیں۔ اگر یہ جو کچھ ہوگیا ہے اسکے بعد بھی ان لوگوں کو سوچنے سمجھنے اور اپنے افکار و خیالات پر نظر ثانی کرنے کی توفیق عطا نہیں ہوتی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ قدرت کا دستِ انتقام انکی طرف دراز ہوچکا ہے اور جبتک وہ اپنا کام پورا نہیں کرلیگا واپس نہیں ہوگا!!

آیندہ نسلیں تاریخ میں اس بات کو بڑی حیرت و استعجاب سے پڑھیں گی کہ بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں ایک ایسی قوم بھی تھی جس نے ملک میں جمہوریت قائم کرنے کی غرض سے عام انتخابات بڑے جوش و خروش اور جذبہ و ولولہ کے ساتھ کرائے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوریت تو کیا قائم ہوتی ملک خون اور آگ کے سمندر میں غرق ہوگیا۔ اور آخر اس کا ایک بڑا اور اہم بازو کٹ کر اس سے جدا ہوگیا۔ اس واقعہ کے اسباب و وجوہ کا جب سراغ لگیگا تو آیندہ نسلوں کو اور بھی حیرت ہوگی اور بجز اسکے ان کے لیئے کوئی اور چارہ کار نہ ہوگا کہ وہ اس ملک کے اربابِ حکومت و اقتدار کی عقل و خرد اور انکی امانت و دیانت کا ماتم کریں۔ اور ان کا نام ان مجرموں کی فہرست میں لکھ دیں جو خلافتِ بغداد و اسپین کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنے تھے۔

پاکستان اسلام کے نام پر عالمِ وجود میں آیا تھا لیکن گذشتہ چوبیس برس میں اسلام پاکستان کی سیاست اور وہاں کے طرزِ زندگی میں کس درجہ دخیل رہا ہے؟ اس کی تفصیلات حد درجہ تکلیف دہ ہیں۔ اس سے یہاں ہم قطع نظر صرف یہ دیکھیے کہ ایک عام اصولِ سیاست اور مخلصانہ جذبۂ خدمتِ ملک و قوم کے ماتحت ہونا کیا چاہیئے تھا اور ہوا کیا؟

پاکستان کے اربابِ اقتدار و سیاست کو پہلے ہی دن یہ محسوس کر لینا چاہیئے تھا کہ پاکستان کا وجود ایک عوامی جدوجہد اور ان کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ وہ نہ کسی خاندان اور نہ کسی ایک طبقہ کی میراث ہے اور نہ کسی کا ترکہ۔ اس بنا پر ملک کے لیے جمہوری نظامِ حکومت سے بہتر کوئی دوسرا نظام نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ ایک نظام ہے جس کے ماتحت عوام کو اپنی آزادی کا یقین ہوتا ہے۔ ان میں خود اعتمادی کا جذبہ ابھرتا اور ملک کے مسائل اور اسکے نیک و بد کو سمجھنے کی صلاحیت پروان چڑھتی ہے۔ اس نظام کے ماتحت عوام اپنے جذبات، اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو اور ساتھ ہی اپنے دکھ درد اور اپنے مشکلات و مصائب کو علانیہ بیان کرتے اور اپنی شکایات کو رفع کرنے کے لیے ان کا آئینی حل تلاش کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار کے دو نتیجے بالکل واضح اور کھلے ہوئے ہیں۔

(۱) ملک کے جس طبقہ کو بھی حکومت سے شکایات ہوتی ہیں پورا ملک اور حکومت دونوں ان سے باخبر رہتے ہیں اور دونوں پر حسبِ ضرورت و موقع ان کا ردِ عمل ہوتا رہتا ہے۔

(۲) جس طبقہ کو شکایات ہوتی ہیں چونکہ اس کو برملا اپنی شکایات کے اظہار اور ان کے ازالہ کے لیے جدوجہد کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر ایک طرف تو اس طبقہ کے دل کی بھڑاس نکلتی رہتی ہے اور شکایات کا مادۂ فاسد تحلیل ہوتا رہتا ہے اور دوسری جانب خود اعتمادی اور ملک کی وحدت و سالمیت پر یقین رکھنے کے باعث ان کا قدم آئینی جدوجہد کے حدود سے باہر نہیں نکلتا اور وہ کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے جس سے ملک ہی کے ٹکڑے ہو جائیں۔

جمہوریت سے متعلق یہ وہ حقائق ہیں جنہیں سیاسیات کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ پاکستان کے اربابِ سیاست پر اگر طبقاتی مفاد پرستی اور خود غرضی کا غلبہ نہ ہوتا تو ان کو نظر آتا کہ تامل ناڈ (مدراس) میں ڈی ایم کے پارٹی

. . . . برسر اقتدار آنیکے بعد یہ صرف ہندوستان کا جمہوری نظام تھا جس کے باعث ہندوستان سے مدراس الگ نہیں ہوا اور وہاں (مشرقی بنگال کی طرح) زبان اور کلچر کے نام پر مرکز کے خلاف سخت ناراضگی اور بیزاری کا جو طوفان اٹھا تھا مدراس کے ساحل سے ٹکرا کر وہیں ختم ہو گیا حال مدراس کا ہوا۔ ناگالینڈ۔ تلنگانہ۔ پنجاب اور کشمیر کا بھی وہی ہوا مرکز سے بیزاری اور اس کی مخالفت کا ایک طوفانی دور تھا جو آیا اور گذر گیا اور یہ کوئی شبہ نہیں کہ یہ محض جمہوریت ہے جس کے باعث یہ سب کچھ ممکن ہو سکا اور یہی جمہوریت ہے جس کے باعث آج ہندوستان اس درجہ متحد۔ مستحکم اور مضبوط ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں مغربی پاکستان کے اربابِ سیاست کو سمجھنا چاہیے تھا کہ (سابقہ) مشرقی پاکستان ان سے ایک ہزار میل سے زیادہ دور پڑا ہوا ہے۔ ان میں اور مغربی پاکستان کے لوگوں میں ایک مذہبی رشتہ (جس کی نسبت واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ سب سے کمزور اور ناقابلِ اعتبار رشتہ تھا) اس کے علاوہ کوئی اور امر مشترک نہیں ہے۔ اور اگرچہ پاکستان کی معاشیات میں سب سے زیادہ حصہ مشرقی پاکستان کا ہے لیکن خود یہ لوگ پسماندہ ہیں۔ اس بنا پر خاص مشرقی پاکستان کے ساتھ معاملہ محبت و یگانگت، عدل و انصاف اور دلجوئی کا ہونا چاہیئے تھا لیکن ایسا بالکل نہیں ہوا۔ پاکستان کیا بنا، بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اربابِ حرص و آز اور مفاد پرستوں کی بن آئی۔ ہر شخص طلب زر اور عیش و عشرت کے سامانوں کو زیادہ سے زیادہ فراہم کرنے کی فکر میں غرق ہو گیا۔ حد یہ ہے جن علماء کی زندگی مدارس میں بوریہ نشینی کرتے گذری تھی۔ کراچی اور لاہور نے ان کو بھی عالی شان کوٹھیوں۔ موٹر اور وسیع کاروبار کا مالک بنا دیا۔ اس افراتفری میں انھوں نے ان تمام اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جو ایک نوزائیدہ قوم کی تعمیر سیرت و تربیت کے لیئے ضروری ہیں۔ چنانچہ کوئی شخص اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ مغربی پاکستان کا برتاؤ اپنے ساتھی کے ساتھ نہایت تحقیر و تذلیل اور بے اعتنائی و بے توجہی کا رہا۔ مغربی پاکستان کے لوگ جن میں اکثریت مہاجرین اور اہل پنجاب کی تھی وہ ڈھاکہ، کھلنا اور چاٹگام وغیرہ پہنچ کر دیکھتے دیکھتے امیر کبیر بن گئے۔ اور خود مقامی باشندے غریب کے غریب رہے۔

زبان اور کلچر میں اس درجہ بُعد، جغرافیائی اعتبار سے اس قدر طویل فاصلہ اور پھر ملک میں نہایت غیر متوازن اور غیر معتدل معیشت اور معاشرت یہ سب چیزیں مادہ فاسد بن کر مشرقی پاکستان کے دل و دماغ میں پکتی رہیں اور ایوب خاں کی ڈکٹیٹرشپ کے پتھر کے نیچے دب کر اس مادہ کو گرم ہو کر پختہ تر ہونے کا اور بھی موقع ملا۔

یہ ایک منظر تھا۔ اب دوسرا منظر ملاحظہ فرمائیے جس نے یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان کی کشتی کے ناخدا کردار اور کیرکٹر میں تہی مایہ تھے ہی، سمجھ بوجھ اور فہم و فراست میں بھی کورے تھے۔ دسمبر ۷۰ء میں خدا خدا کرکے پاکستان میں عام انتخابات ہوئے جن میں عوامی لیگ نے مرکز اور صوبہ دونوں میں نہایت عظیم اکثریت سے کامیاب ہوئی اور اب دستور آئین کے مطابق مسند وزارت و حکومت اس کے ہی سپرد ہونا چاہئیے تھا لیکن اس پارٹی نے انتخاب جس شش نکاتی منشور کی بنیاد پر لڑا تھا اس نے بنا بنایا سارا کھیل بگاڑ دیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ منشور پاکستان کی سالمیت کے منافی تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو صدر پاکستان کو انتخابات شروع ہونے سے پہلے ہی اسے نامنظور اور رد کر دینا چاہئیے تھا اور اگر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی پارٹی کو اس پر اعتراض تھا تو ان کو اس کا اظہار اسی وقت کرنا چاہئیے تھا۔ اور اگر یہ منشور پاکستان کی سالمیت کی نفی نہیں کرتا تھا ——— اور واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو متحدہ پاکستان کے لیے اس کے منشور ہونے کے کوئی معنی نہیں تھے ——— تو پھر الیکشن کے نتائج کے سامنے آجانے کے بعد محض ایک شخص (مسٹر بھٹو) کی ضد پر نیشنل اسمبلی کے انعقاد کی تاریخیں مقرر کرکے ان کا التوا کرتے رہنا سیاسی بے بصیرتی اور جمہوریت کا گلا گھونٹ دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ جمہوریت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جب انتخابات ختم ہو گئے تو اب قانون سازی کے اختیارات سب کے سب عوام کے نمائندہ حضرات کے ہاتھوں میں پہنچ گئے اور اب اس سلسلہ کا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ مجلس قانون ساز کے ایوان میں ہوگا۔ اس بنا پر اس مجلس کو بالکل نظر انداز کرکے بالا ہی بالا حکومت کا کسی پارٹی کے لیڈر سے کوئی سمجھوتہ کر لینا اور اگر سمجھوتہ نہ ہو سکے تو مجلس کے انعقاد کو ملتوی کر دینا ایک ایسا فعل ہے جس کے لیے کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔ ایک عرصہ دراز کی گھٹن اور مجبوری کی جمہوری

کے بعد عوام آزادی کے ساتھ اپنا ایک فیصلہ دے چکے تھے اور اس لئے اب وہ ہرگز اس پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے کہ جمہوریت کی راہ سے اپنے حقوق حاصل کرنے کی جس منزل کی طرف ان کے قدم اٹھ چکے ہیں وہ پھر واپس ہوں۔ اس بنا پر اس صورت حال کا نتیجہ ڈکٹیٹر شپ اور عوام میں شدید کشمکش کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ڈکٹیٹر شپ کو اپنی فوجی طاقت پر گھمنڈ تھا اور عوام کو اپنی تنظیم، وحدتِ خیال اور جذبۂ ایثار و جفاکشی پر اعتماد اور بھروسہ! چنانچہ جب اس کشمکش کا ظہور عمل پذیر ہوا تو دنیا نے وہ سب کچھ دیکھا جو تاریخ میں کم ہی نظر آیا ہوگا۔ کسی نے اپنی بہیمیت کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ لاکھوں گھر بے چراغ ہوگئے آبادیاں راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں۔ آگ اور خون کا ایک سمندر تھا جس کی موجوں نے ہر کہ و مہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

اب تک معاملہ جو کچھ بھی تھا وہ "بنگلہ دیش" اور حکومت پاکستان کا تھا لیکن اس عظیم قتل و قتال کے نتیجہ میں جب لاکھوں کی تعداد میں پناہ گزین ہندوستان میں آنے لگے اور ادھر بنگلہ دیش کے عوام نے اپنے ملک کی آزادی کو اپنا نصب العین بنالیا تو اب یہ مسئلہ خود ہندوستان کا بھی مسئلہ بن گیا۔ پاکستان کے ارباب سیاست کے لئے اب بھی موقع تھا کہ وہ ضد اور ہٹ کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل و دماغ سے حالات و واقعات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے اور اس صورت حال کا حل تلاش کرتے لیکن نہایت افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ وہ اپنی ضد اور ہٹ پر اڑے رہے اور ادھر عوام اجتماعی مقابلہ سے عاجز ہو گئے تو انھوں نے گوریلا جنگ شروع کردی۔ ہمارا پختہ خیال ہے کہ موجودہ صدر پاکستان مسٹر بھٹو آج جس کمزور فیڈریشن پر رضامندی کا اظہار کر رہے ہیں اگر وہ پہلے ہی اس پر رضامند ہو جاتے تو آج ان کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ بہرحال لاکھوں پناہ گزینوں کی آمد سے جب ہندوستان کا اقتصادی ڈھانچہ زیر و زبر ہوگیا اور اس نے اس کے اور اس کے اسباب و وجوہ کے خلاف احتجاج کرکے پاکستان سے اس کے حل کا مطالبہ کیا تو اب پاکستان کی حکومت نے جنگ کی باتیں شروع کردیں اور صدر پاکستان نے یہ فرمایا کہ "دس دن کے بعد آپ مجھ کو فرنٹ پر دیکھیں گے" گویا جنگ کا وقت اور اس کا دن بھی متعین کردیا۔ اور اس پروگرام کے مطابق جنگ شروع بھی کردی۔ چنانچہ جنگ ہوئی اور اس کا انجام آج ہر شخص کے سامنے ہے۔

اس موقع پر بھی پاکستان کے ارباب سیاست وحکومت نے اپنی جس بے بصیرتی اور کوتاہ نظری کا ثبوت دیا ہے وہ تاریخ کا اتنا بڑا المیہ ہے کہ اسے قومی خودکشی کے علاوہ اور کیا کہیے؟ پاکستان کی فوج کا ایک معتدبہ حصہ سات آٹھ ماہ سے مسلسل بنگلہ دیش میں مصروف کار تھا اور اسکے باعث اسے بہت کچھ نقصان پہنچ بھی چکا تھا۔ بنگلہ دیش کے عوام اسکے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور برسرپیکار تھے اور پھر ادھر حال یہ تھا کہ ہندوستان کی فوج تازہ دم بھی اور تعداد اور سازوسامان کے اعتبار سے پاکستان سے پانچ گنا زائد تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جغرافیائی اعتبار سے بنگلہ دیش اس قدر دور تھا کہ اگر بحری راستہ سے اسکی آمدورفت روک دی جائے تو بنگلہ دیش میں پاکستانی فوج کے لیے امداد پہنچانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ یہ وہ واضح حقائق ہیں جنہیں ہر عامی بھی محسوس کرتا ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کے بل بوتے پر پاکستان جنگ کی آگ میں بے خطر کود پڑا؟ اس سوال کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کو چین کے ساتھ اپنی دوستی پر پورا بھروسہ تھا کہ حسب سابق وہ اب بھی مدد کرے گا۔ اور اب تو امریکہ بھی پاکستان سے دوستی کا دم بھرنے لگا تھا کیونکہ صدر امریکہ کے خاص نمائندہ کو پیکنگ پہنچانے اور وزیراعظم چین سے اس کی رازدارانہ گفتگو کرانے کا پوشیدہ بندوبست سب پاکستان نے کیا تھا لیکن اگر پاکستان کے اقدام جنگ کا واقعی سبب ان دونوں ملکوں کی عملی امداد پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہی تھا ـــــ اور حق یہ ہے کہ واقعہ یہی تھا ـ تو پاکستان کی قیادت کا جتنا ماتم کیجیے کم ہے۔ یہ لوگ اس حقیقت کو بھول گئے کہ جن کو آجکل بڑی طاقتیں کہا جاتا ہے وہ سچ مچ نہ کسی کی دوست ہیں اور نہ کسی کی دشمن۔ ان کو صرف اپنے ملکی اور قومی مفاد سے عشق ہے۔ اس بنا پر ان کی دوستی حاصل کرنے کا راز صرف اس میں ہے کہ اپنے اندر طاقت وقوت ایسی پیدا کیجیے کہ وہ ان بڑی طاقتوں کے لیے چیلنج بن سکے۔ کمزور پر رحم تو آسکتا ہے لیکن اس کا دوست کوئی نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں جلد بازی میں پاکستان کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ ہندوستان کا روس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے اور اس نے امریکہ اور چین کے بے جھجک امداد کے رستہ میں رکاوٹ پیدا کردی ہے۔ پاکستان نے ہندوستان کی اور بنگلہ دیش کی زرخیزی کے ساتھ اپنے ملک کا مقابلہ وموازنہ کرکے کبھی نہ سوچا کہ جہاں تک تجارتی اقتصادی صنعتی اور نظریاتی مفاد کا تعلق ہے امریکہ اور چین کا گوشۂ خاطر بنگلہ دیش اور ہندوستان کیطرف

بہرحال وہی

زیادہ ہو سکتا ہے یا پاکستان کی جانب ۔ اور ہاں ! یہ سب کچھ ایک طرف اور یہ سخت المناک حقیقت ایک طرف کہ پاکستان اپنے اس جذبۂ استمدادِ بالغیر کی فراوانی میں اپنے عظیم شاعر و فیلسوف کی اس نصیحت کو بھی بھول گیا کہ

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی !

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی !!

اس میں شبہ نہیں کہ بنگلہ دیش کے نام سے ایک آزاد مملکت وجود میں آگئی اور اب پاکستان کے ساتھ اسکا انضمام ناممکن ہے لیکن اسکو کتاب کا آخری باب قرار دینا بین الاقوامی حالات و سیاسیات اور انسانی و تہذیبی عوامل و نفسیات سے صرف نظر کر لینا ہوگا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل حالات کا رخ کیا ہوگا۔ بہرحال اب پاکستان کا مفاد اسی میں ہے کہ جس طرح ہندوستان نے ملک کی تقسیم کو سخت اذیت رساں ہونے کے باوجود گوارا کر لیا تھا۔ اسی طرح وہ بنگلہ دیش کی علیحدگی کو ایک حقیقت سمجھ کر برداشت کرلے اور اپنے ہاں صحیح معنوں میں جمہوریت قائم کرکے اپنی تمام صلاحیتوں کو خلوص و انہماک کے ساتھ اپنی تعمیر و ترقی کے لیے وقف کردے ۔ اور ہندوستان اور بنگلہ دیش کے ساتھ اگر وفاقی تعلق پیدا ہو سکے تو اس طرح پر، ورنہ یوں بھی تعلقات کو بہتر بنا کر امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی راہ پیدا کرے ۔ اگر ایسا ہو سکے — اور ہماری دعا ہے کہ ایسا ہو — تو پاکستان کا یہ نقصان نقصان نہیں ۔ بلکہ اس کی منفعت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ بنگلہ دیش اور ہندوستان کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ اس جنگ کو فتح کرکے انھوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے لیکن مستقبل میں جو امکانات ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیئے انہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ ان میں قول و قرار کی پاسداری۔ عدل و انصاف اور ایک دوسرے کے ساتھ حقیقی خیرسگالی اور رواداری برتنے کا سلیقہ کتنا اور کس درجہ کا ہے ۔ !!

افسوس ہے ہماری بزم علم و ادب کی پرانی شمعیں ایک ایک کرکے اٹھتی جارہی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ ماہ دسمبر کی ۱۹ر کو خواجہ غلام السیدین بھی ہم سے جدا ہوگئے ۔ مرحوم مولانا حالی کے نواسے